ناصر کاظمی کی شاعری میں اداسی اور رجائیت کے عناصر

مدرارالحق پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی

ڈاکٹر سہیل احمد اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی

Abstract:

Nasir Kazmi is one of the maestros of Urdu literature. He migrated from Anbala to Lahore after Pakistan got her independence. The chaos and painful experiences of the 1947's migration had terrible impact on his weighing and art leading to his eternal depression. Due to the pains in his poetry, he is considered a pessimist poet. Nevertheless, his poetry may apparently consider a pessimist poet however there is optimism in his sad poetry. The presence of optimism in his sad poetry is under consideration in this research paper.

ناصر کاظمی کا شمار دور جدید کے بڑے شعراء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کا آغاز تقسیمِ ہند کے آس پاس کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب قومی تحریکیں آزادی کے حصول کی خاطر جبر و استبداد کی قوتوں سے نبرد آزما تھیں اور اردو شاعری بیشتر اسی جدوجہد سے عبارت تھی۔ آخر کار یہ جدوجہد رنگ لائی اور پاکستان معرض وجود میں آیا۔ ناصر کاظمی اپنا سب کچھ تج کر پاکستان آئے اور لاہور میں مقیم ہوئے۔ تقسیم ہند کے نتیجے میں رونما ہونے والے دلخراش فسادات نے ان کے خوابوں کی دنیا کو تہس نہس کر دیا۔ ہجرت کا یہ کرب عمر بھر ان کے ساتھ رہا اور ان کے دل و دماغ پر گہرے اثرات مرتسم کیے۔ اسی کرب کی واضح جھلک ان کی شاعری میں دیکھی جا سکتی

ہے۔ درندگی اور سفاکی سے عبارت واقعات نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ خون کا دریا عبور کرنے کے بعد جب وہ لاہور پہنچے تو یہاں کی اجنبی فضائیں انھیں راس نہ آئیں، چنانچہ وہ اکیلے پن کی اذیت کا شکار ہوئے۔ تنہائی میں وہ ماضی کی حسین یادیں سینے سے لگائے زیست کرتے رہے۔ رہی سہی کسر زمانے کی بے قدری اور معاشی مشکلات نے پوری کی۔ ہجرت کا کرب، فسادات کے لرزہ خیز واقعات، ماضی کی یادیں، تنہائی کا احساس، زمانے کی ناقدری، صحت کی خرابی اور معاشی مشکلات وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے وہ نئے شہر اور حالات سے ذہنی موافقت پیدا کرنے میں ناکام رہے اور مستقل اداسی کا شکار ہوئے۔

ہمارے گھر کی دیواروں پہ ناصر

اداسی بال کھولے سو رہی ہے [1]

ناصر کے فکر و فن میں اداسی کی اس کیفیت کی وجہ سے ان کی رجائی شاعری نظروں سے اوجھل رہتی ہے اور انہیں ایک قنوطی شاعر تصور کیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ناصر اداس شاعر ضرور تھے، مگر قنوطی ہرگز نہیں تھے۔ بھلا جو شخص برے حالات میں بھی امکان کا در وا رکھتا ہے اور اندھیرے میں روشنی کا کرن دیکھنے کی بات کرتا ہے وہ قنوطی کیسے ہو سکتا ہے۔

کیا خبر کوئی دفینہ مل جائے

کوئی دیوار گرا کر دیکھو

ان اندھیروں کرن ہے کوئی

شب زدو آنکھ اٹھا کر دیکھو [2]

اداسی اور قنوطیت میں واضح فرق ہے۔ قنوطیت ایک مستقل فلسفہ ہے جس کے تحت ہست پر نیست کو ترجیح دی جاتی ہے اور ہمیشہ برے اور ناخوشگوار حالات کی توقع رکھی جاتی ہے۔ وارث سرہندی قنوطیت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قنوطیت، رجائیت کی ضد ہے، جس کے لغوی معنی
ہیں، زندگی کا تاریک پہلو دیکھنا۔ یہ انگریزی لفظ
Pessimism کا مترادف ہے۔"[3]

کلیم الدین احمد فرماتے ہیں:

"قنوطیت: یہ نظریہ کہ کائنات بنیادی طور پر بد ہے اور زندگی عبث ہے۔ قنوطیت کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ کائناتی قنوطیت، جس کے مطابق کائنات کسی ظالم یا بے پرواطاقت کے رحم و کرم پر ہے۔

2۔ رجعی قنوطیت، یہ نظریہ کہ دنیا خراب ہوتی جارہی ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں۔"[4]

جبکہ اداسی، افسردگی، رنجیدگی، اور ویرانی کی حالت کو کہتے ہیں۔ عصری لغت کے مطابق اداسی کے معنی ہیں:

"اُداسی: غمگینی، ویرانی، بے رونقی"[5]

فرہنگ آصفیہ کے مطابق؛

"اُداس:ملول، مغموم، غمگین، رنجیدہ، سوگوار، پراگندہ، پریشان، ویران

، بے رونق، بے روپ، بدرنگ، بدزیب، پھیکا پھیکا، ماند، رنگ اڑا

ہوا۔"[6]

ان تعریفوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قنوطیت ایک مستقل نظریہ ہے اس لئے اس میں کمی بیشی ممکن ہے مگر اس کا مکمل خاتمہ ممکن نہیں جبکہ اداسی محض ایک کیفیت ہے اور کیفیت عارضی ہوتی ہے۔ انسان پر مختلف کیفیات کا طاری ہونا ایک فطری امر ہے۔ کوئی بھی کیفیت، کسی بھی وقت طاری ہو سکتی ہے اور کسی بھی وقت اس سے نکلا جا سکتا ہے۔ قنوطیت اور اداسی میں اس فرق کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے ناصر کی شاعری کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ وہ اپنے گھر کی دیواروں پر اداسی کے چھا جانے کا منظر پیش کرتے ہیں مگر ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں ؛

دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی

کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر

غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی[7]

محترمہ ناہید قاسمی فرماتی ہیں؛

"دراصل ناصر کے ہاں اداسی کا ایک خاص تصور ہے۔ اداسی انہیں قنوطیت پسند نہیں بلکہ حقیقت کو سمجھنے کا شعور بخشتی ہے۔ یہ اداسی انہیں اپنی ذات کی گہرائیوں کو بھی پہچاننے میں مدد دیتی ہے۔"[8]

رجائی کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ اداس ہو کر بھی مغموم نہیں ہوتا بلکہ آنے والے اچھے دنوں کی انتظار میں مسرور ومگن رہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جس طرح آج کا وجود حق ہے بالکل اسی طرح کل کا وجود بھی برحق ہے۔ اس لیے اگر آج غم کے سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ کل خوشی کا روشن سورج بھی طلوع ہو گا۔ چنانچہ وہ اداس موسموں میں بھی دل برا کرنے کی بجائے آمد بہار کی نوید سناتا ہے۔

دور اس تیرہ خاکداں سے دور

دیکھ دنیائے جسم وجاں سے دور

آنے والی بہار کے افسوں

دیکھ ویرانہ خزاں سے دور[9]

ناصر کاظمی کو نئی بستی سے بے پناہ محبت تھی۔ اسی محبت کی خاطر انھوں نے آگ وخون کا دریا عبور کیا اور ہجرت کی اذیت ناک کرب سے گزرے۔ اس کرب کو سہنا آسان ہرگز نہ تھا مگر ان کی امید پرستی نے انھیں نہ صرف یہ دکھ برداشت کرنے کا حوصلہ دیا بلکہ سہانے مستقبل کے خواب بھی دکھائے۔ چنانچہ وہ پورے یقین کے ساتھ وطن عزیز کی تابناک مستقبل کی نوید سناتے ہیں۔ ناصر کا یہ پر عزم اور حوصلہ مند لہجہ اس بات کا غماز ہے کہ وہ مایوس نہیں اور دکھ، درد اور کرب کی اذیت ناک رات سے گزرنے کے باوجود انہیں طلوع صبح پر کامل یقین ہے۔

تیرگی ختم ہوئی صبح کے آثار ہوئے

شہر کے لوگ نئے عزم سے بیدار ہوئے

شب کی تاریکی میں جو آئے تھے رہزن بن کر

صبح ہوتے ہی وہ رسوا سر بازار ہوئے

جگمگانے لگیں پھر میرے وطن کی گلیاں

ظلم کے ہاتھ سمٹ کر پس دیوار ہوئے

شاخ در شاخ چمکنے لگے خوشبو کے چراغ

عالم خاک سے پیدا نئے گلزار ہوئے[10]

ناصر کاظمی ایک طرف وطن کی آزادی پر مسرور اور نغمہ خواں ہیں تو دوسری طرف انبالہ سے جدائی پر نوحہ کناں بھی ہیں۔ وہ کھلے عام وطن چھوڑ کر اماں نہ ملنے کا اقرار تو کرتے ہیں مگر اس اقرار میں مایوسی کا شائبہ نہیں۔ اس لیے اسے قنوطیت سے تعبیر کرنا غلط ہو گا۔ جن حالات سے ناصر کو گزرنا پڑا، اگر ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو قنوطیت کا شکار ہو کر زندگی اور اس کے متعلقات سے منحرف ہو جاتا مگر ناصر کے ہاں ایسا نہیں۔ ان کے ہاں حقیقت اور رجائیت کا خوبصورت امتزاج ہے۔ وہ تلخی حالات کا تذکرہ تو کرتے ہیں مگر خوش گوار حالات کی امید بھی رکھتے ہیں۔

یہ بجا کہ آج اندھیر ہے، ذرارت بدلنے کی دیر ہے

جو خزاں کے خوف سے خشک ہے، وہی شاخ لائے گی برگ وبر[11]

صفدر ایم سہوترا، ناصر کاظمی کی شاعری کے اس پہلو کے بارے میں فرماتے ہیں؛

"ناصر کے ہاں یہ اداسی بھی تخلیقی قوت بن گئی ہے۔ ان کی ذاتی اداسی کی جو گھٹا اٹھی وہ ساری کائنات پر پھیل گئی۔ ناصر کی اداسی میں سارا جہاں سمٹ آیا۔ ان کے کلام میں ایک قسم کی زیر لب افسردگی ملتی ہے۔ اس افسردگی کو نامرادی اور قنوطیت سے تعبیر کرنا مناسب نہیں۔ ان کے

ہاں اداسی کا ایک خاص تصور ہے۔ اداسی انہیں قنوطیت پسند نہیں بناتی
بلکہ حقیقت کو سمجھنے کا شعور اور اپنے آپ کو پہچاننے میں مدد دیتی ہے"[12]

ناصر کی زندگی اداسی کی گھنی چھاؤں میں گزری، لیکن ان کی شاعری میں امید کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ مختلف عوامل نے انہیں اداس اور مغموم رکھا۔ مگر وہ ناامید نہیں ہونے کی بجائے تمام عمر امید کے زاویے پیش کرتے رہے۔

مایوس نہ ہوں اداس راہی

پھر آئے گا دور صبح گاہی

اے منتظر طلوع فردا

بدلے گا جہان مرغ وماہی

پھر خاک نشین اٹھائیں گے سر

اٹھنے کو ہے ناز کجکلاہی

انصاف کا دن قریب تر ہے

پھر داد طلب ہے بے گناہی

آئین جہاں بدل رہا ہے

بدلیں گے اوامر ونواہی[13]

ناصر کی شاعری میں موجود رجائیت کی لہریں قاری کے دل پر مسحور کن اثر ڈالتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھی بھلے دنوں کی آس میں جینے لگتا ہے۔ رجائیت ان کی شاعری کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ اسی سرمائے کی خاطر وہ کبھی اداس راہی سے ہم کلام ہوتے ہیں تو کبھی رات کو چمکتے ہوئے تاروں سے بات کرنے لگتے ہیں۔

یہ رات تمہاری ہے چمکتے رہے تارو

وہ آئے نہ آئے مگر امید نہ ہارو

شاید کسی منزل سے کوئی قافلہ آئے

آشفتہ سرو صبح تلک یونہی پکارو

یہ عالم وحشت ہے تو کچھ ہو ہی رہے گا

منزل نہ سہی سر کسی دیوار سے مارو[14]

ناصر کاظمی کی اداسی ان کی رجائی طرز فکر میں ممدود و معاون رہی۔ اداسی نے ان کے فکر و نظر پر مثبت اثرات مرتب کئے، جس کے سبب وہ مایوسی کے دلدل میں پھنسنے سے بچ گئے۔ محترمہ ناہید قاسمی فرماتی ہیں؛

"ناصر کو شروع میں جو اداسیاں ملیں انہوں ناصر کو جلا کر راکھ نہیں کیا ،بلکہ ناصر نے اداسیوں کو اپنے اندر تحلیل کر لیا۔ یوں اس راکھ میں دبی چنگاری سے جو سورج طلوع ہوا وہ رجائیت کا سورج ہے۔ اس کی کرنیں ناصر کی فکر میں مثبت تبدیلیوں یعنی امید اور رجائیت کی عکاس ہیں۔ اس رجائیت کی چنگاری شدید غموں اور صدموں سے پہلے بھی ان کے اندر بسی ہوئی تھی۔"[15]

مسائل مصائب اور مشکلات ہر کسی کی زندگی میں آتی ہیں لیکن ہر کوئی اس کا سامنا اپنے انداز میں کرتا ہے۔ کوئی اس کے سامنے ہتھیار ڈال کر زندگی، حالات اور قسمت پہ لعن طعن کرتا ہے اور مایوسی کی اتاہ گہرائیوں میں اتر جاتا ہے جبکہ کچھ لوگ اس کے برعکس امید کی مشعل تھامے ہمت، عزم اور حوصلے سے ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ناصر کاظمی اسی قبیل سے تھے۔ انھوں نے ظلمت شب کا تذکرہ تو کیا ہے مگر امید کی شمع بھی جلائے رکھی ہے اس لیے ان کی شاعری میں اداسی اور رجائیت پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

ناصر کاظمی، دیوان، مشمولہ، کلیات ناصر، جہانگیر بکس، س۔ن، ص116

ناصر کاظمی، برگِ نے، مشمولہ، کلیاتِ ناصر، جہانگیر بکس، س۔ن، ص2158

3وارث سرہندی، علمی اردو لغت، علمی کتب خانہ، لاہور، 2005، ص1086

4 کلیم الدین احمد، فرہنگ ادبی اصطلاحات، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، س۔ن۔ ص149

5 عبد الحق، پروفیسر، عصری لغت، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2014، ص42

6 سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، جلد اول، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 2010، ص129

7 ناصر کاظمی، دیوان، مشمولہ، کلیاتِ ناصر، جہانگیر بکس، س۔ن، ص36

8 ناہید قاسمی، ناصر کاظمی: شخصیت اور فن، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008، ص118

9 ناصر کاظمی، برگِ نے، مشمولہ، کلیاتِ ناصر، جہانگیر بکس، س۔ن، ص127

10 ناصر کاظمی، نشاطِ خواب، مشمولہ، کلیاتِ ناصر، جہانگیر بکس، س۔ن، ص75

11 ناصر کاظمی، دیوان، مشمولہ، کلیاتِ ناصر، جہانگیر بکس، س۔ن، ص92

12 صفدر ایم سہوترا، رات اداسی اور ناصر کاظمی، مشمولہ نوادر، گیارواں شمارہ، ستمبر2004 تامارچ2005، ص 101

13 ناصر کاظمی، برگِ نے، مشمولہ، کلیاتِ ناصر، جہانگیر بکس، س۔ن، ص23

14 ناصر کاظمی، برگِ نے، مشمولہ، کلیاتِ ناصر، جہانگیر بکس، س۔ن، ص101

15 ناہید قاسمی، ناصر کاظمی: شخصیت اور فن، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008، ص140